قرآن اور تخلیق کائنات

محمد امین

قرآن مجید میں ارشاد خداوندی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن و انس کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ○(الذّٰریٰت: ۵۶)

ایک حدیث مبارک کی رو سے اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کرنے کی غرض و غایت یہ بتائی ہے کہ "میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں"۔

دراصل مذکورہ بالا آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس مقصد (یعنی اپنی پہچان) کے لئے راہِ عمل کی نشان دہی کی ہے اور حدیثِ مبارک میں اس مقصد اور نصب العین کو بیان کیا ہے۔ اور یہ مقصد اور نصب العین ہی دراصل سائنسی ترقی کا نقطۂ عروج ہوگا جس میں انسان خدا کی ذات کو بالیقین پہچان لے گا' ایسے ہی جیسے اس نے کائنات میں اپنی سائنسی ترقی کے ذریعے اس زمین کو' ستاروں کو' کہکشاؤں کو' Quasars اور Dwarfs کو' توانائی کو' اور ایٹمی ذرات کو مختلف ہیئتوں میں پہچانا ہے۔ ان میں سے اکثر اشیاء کا ادراک انسان نے اپنے سارے حواسِ خمسہ کے ساتھ نہیں کیا۔ لیکن صدیوں کے مسلسل علم اور ان علوم کی بنیاد پر نتائج کی تکرار نے اس کو ان چیزوں کی حقیقت پر بلا کسی شک و شبہ اور تردّد کے ایمان لانے پر آمادہ کیا ہے۔ اسی مسلسل علم کے ذریعے اللہ تعالیٰ انسانیت کو اپنے نقطۂ پہچان پر لائے گا۔

"اور عنقریب ہم ان کو ان کے اپنے نفس میں اور آفاق میں اپنی نشانیاں دکھائیں گے" (حٰم السجدہ: ۵۳)

جس طرح روشنی کو اندھیرا اور سچ کو جھوٹ کہنے سے روشنی اور سچ کی حقیقت کو جھٹلایا نہیں جاسکتا' اسی طرح حق کو باطل کہنے سے حق کو پوشیدہ نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی

© rasailojaraid.com

مضمونِ حق کا عنوان باطل رکھ کر اسے باطل ثابت کیا جاسکتا ہے۔ سائنسی عمل سے اشیاء کی حقیقت کی پہچان بذات خود ایک بڑی سچائی اور حق ہے۔ اسے جتنا لادینیت (Secularism) کا لبادہ پہنایا جائے' سچ کی روشنی (خدا کی ذات کا اثبات) اس میں سے چھن چھن کر باہر آئے گی اور ہم خدا کی ذات کے قریب تر ہوتے جائیں گے بشرطیکہ بصارت والی آنکھیں ہوں۔ دراصل بقائے نسلِ انسانی کا یہی ایک مقصد ہے کہ ہم پہچانِ خداوندی میں اَسلاف کے اثاثے پر نظرثانی کرتے ہوئے اَخلاف کے لئے نئے راستے اور نئے مقاصد متعین کرتے جائیں اور یوں بالآخر انسان سائنسی ترقی سے حقیقتِ خداوندی کا ایسے ہی اقرار کرلے گا جیسے اس نے دوسری اشیاء کا ادراک کیا۔ اس میں بنیادی شرط یہ ہے کہ کسی بھی نقطۂ نظر کو جانچنے کا طریقہ واقعتاً خالص سائنسی طریقہ ہو' نہ کہ ہم اپنے نتائج کی بنیاد ظن و تخمین پر رکھیں۔ حقیقت یہ ہے کہ خالصتاً سائنسی طرز تفتیش سے حق ہی سامنے آئے گا اور اس حق اور سچائی پر ایمان ہمیں سچ کے اور قریب لے جائے گا اور بالآخر خدا کی ذات کے پاس۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

> "حقیقت یہ ہے کہ جس علم پر یہ قابو نہ پاسکے اس کو (نادانی سے) جھٹلایا اور ابھی اس کی حقیقت ان پر کھلی ہی نہیں" (سورۂ یونس: ۳۹)

یعنی جس نقطۂ نظر پر ہم پوری "سائنسی" گرفت نہ کرسکے' اس کی سائنسی طریقے پر جانچ پڑتال کے قابل نہ ہوئے اس کو ظن و تخمین (Theories and Hypotheses) کے درجے پر رکھ کر اس پر قانون کی طرح ایمان لے آئے' جیسے ڈارون کا نظریۂ ارتقاء۔ اور پھر اسی ظن و تخمین کی بنا پر انسان نے مذہب کو ایک ٹھوکر مار کر اپنے رستے سے ہٹا دیا اور خدا کی ذات کو اپنی زندگیوں سے نکال دیا۔ اسی ظن و تخمین کی بنیاد پر اس نے اپنے معاشرتی' معاشی اور سیاسی دیوتا بنالئے' دن رات ان کی پرستش میں صرف ہونے لگے' معاشرے کے ذہین عناصر (intellectuals) ان دیوتاؤں کی عبادت گاہوں کے پروہت اور پادری بن گئے۔ وہ نئی نسل کی "تربیت" میں جت گئے تاکہ وہ اس نئی نسل کو "نور" سے "ظلمت" کی طرف جانے سے روک دیں' ان کی "روشن خیالی" کو "قدامت پسندی" اور "پرانے خدا" کے سائے سے بچاسکیں اور ان کو بظاہر ان "سچے دیوتاؤں" کی پرستش کے لئے آمادہ کرسکیں۔ پھر یکدم جب ان پروہتوں اور پجاریوں پر اس خوفناک حقیقت کا

© rasailojaraid.c

انکشاف ہوا کہ وہ جس کو سچ سمجھ رہے تھے وہ جھوٹ کا پلندہ تھا' صحرا میں بظاہر نظر آنے والا پانی ہوس کی پیاس کی شدت اور سراب کے سوا کچھ نہ تھا تو ان کی حالت ان لوگوں سے مشابہ تھی جن پر اس حقیقت کا انکشاف ہوا کہ اپنے جس عزیز ترین رشتہ دار کو وہ قبر میں دفنا آئے تھے وہ تو زندہ تھا۔

" I am saying all this, because like many other theories, Darwin's evolutionary theory now faces serious challenges, and it's validity is being threatened by solid doubts, reasons and questions" (Darwin's impact on society is increasing: Charles Gai Eaton)

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اسی طرزِ عمل کو "ظن کی پیروی" سے موسوم کیا ہے اور جس عمل کو ہم نے اپنے مشاہدات و تجربات اور تاریخِ کائنات میں یکسانیت کی بنیاد پر قانون (law) جانا' اس کو حق کہا ہے۔

"اور ان میں سے اکثر صرف ظن کی پیروی کرتے ہیں اور کچھ شک نہیں کہ ظن حق کے مقابلے میں کچھ کار آمد نہیں' بے شک خدا تمہارے سب اعمال سے واقف ہے (سورۂ یونس:۳۶)

جب سائنس نے بیسویں صدی میں قدم رکھا تو کائنات کی تخلیق کے بارے میں دو مختلف نظریات قائم تھے۔ ایک steady state کائنات کا نظریہ تھا' یعنی کائنات ازل سے ایسے ہی قائم ہے اور اس میں تعمیر و تخریب کا عمل جاری و ساری ہے۔ دوسرا نظریہ کائنات کے آغازِ تخلیق کا تھا' یعنی کائنات ایک لامتناہی کثیف نقطے سے وجود میں آئی ہے۔ دوسرے لفظوں میں کوئی چیز عدم سے وجود میں آگئی۔ یعنی Something has been created out of nothing — سائنس کا کوئی سادہ سے سادہ نظریہ اور پیچیدہ سے پیچیدہ تر مساوات کسی خالق (Creator or Inventor) کے وجود سے صرفِ نظر کرتے ہوئے اس بیان کو تسلیم نہیں کرسکتی کہ کوئی شے خود بخود وجود میں آجائے۔ یعنی اگر میں کسی سائنس دان سے اس کا امکان (Probabilty) پوچھوں تو وہ صفر بتائے گا۔ مثال کے طور پر اگر میں اس سے پوچھوں کہ اس چیز کا کیا امکان

© rasailojaraid.c

(Probabilty) ہے کہ ایک قلم، پنسل، یا کپ خود بخود اس شکل میں آجائے گا (خام مال یعنی raw material کے موجود ہوتے ہوئے) تو یقیناً اس کا جواب صفر ہوگا۔ جب اس قدر معمولی شے کے بارے میں یہ حالت ہے تو لامحدود کائنات جو انتہائی نظم و ضبط، ربط و ہم آہنگی اور یکسانیت سے وجود میں آئی ہے (خام مال کی عدم دستیابی کے باوجود) اس کے بارے میں معمولی سے امکان کا خیال بھی کہ یہ خود بخود وجود میں آئی ہے انتہائی احمقانہ ہوگا اور غیر سائنسی بھی۔ ایسے ہی جیسے ساحلِ سمندر پہ چلتے چلتے ریت کے ڈھیر سے آپ کو ایک ٹائم پیس نظر آئے جس کو شروع میں آپ نے ریت کا ڈھیلا ہی سمجھا تھا۔ لیکن بغور دیکھنے پر جب آپ نے اس کا میکانکی نظام دیکھا تو ایک لمحے کے لئے بھی آپ کے ذہن میں یہ نہیں آیا کہ یہ ٹائم پیس، ساحلِ سمندر پہ لہروں کے تھپیڑوں، ریت کے ذرات اور وقت کی گردش کی وجہ سے وجود میں آیا ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ کائنات کی تخلیق کے عمل میں خالق کے وجود کے امکان کو بھی نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ جب خدا کی ذات اپنی ساری آیات (نشانیوں) کے ساتھ سامنے کھڑی نظر آتی ہے تو آنکھیں بند ہو جاتی ہیں اور کان سنتے نہیں ہیں۔

> "ان کی آنکھیں ہیں مگر وہ دیکھتے نہیں، ان کے کان ہیں مگر وہ سنتے نہیں۔" (الاعراف: ۱۷۹)

دراصل خوف دیکھنے اور سننے کا نہیں بلکہ زندگی کی ان غیر ذمہ دارانہ رنگینیوں اور خواہشات سے محرومی کا ہے، جن سے وہ بے فکری سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔

> "کیا تم نے اس شخص کو دیکھا ہے جس نے اپنی خواہشات کو معبود بنا رکھا ہے۔" (الفرقان: ۴۳)

جب فلسفیوں نے سرابِ قیاس کی پیروی کی تو اتنے دور نکل آئے کہ واپسی کے راستے معدوم ہو گئے۔ برٹرنڈ رسل (Bertrand Russel) نے اپنی کتاب "Why I am not a Christian" میں کہا ہے کہ جس طرح ہم علت و معلول (Cause and effet) کی بنیاد پر یہ کہتے ہیں کہ اس کائنات کو کوئی پیدا کرنے والا ہے (محض فلسفیانہ نقطۂ نظر ہے کیونکہ اُس وقت تک کائنات کے آغازِ تخلیق کی کوئی سائنسی تاویل نہیں تھی) اسی طرح ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ کائنات ازل سے قائم ہے، اور اس

© rasailojaraid

لئے میں خدا کی ذات کا اقرار نہیں کرتا!---- یہ ہے ظن کی پیروی۔ لیکن پھر ڈاپلر (Doppler) نے شعاعوں کی فریکوئنسی میں ہونے والی تبدیلی سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ کائنات پھیل رہی ہے تو اس نے اس آیت کو "حق" کر دکھایا کہ

"آسمان کو ہم نے اپنے زور سے بنایا اور ہم اسے وسیع کر رہے ہیں۔" (الذّٰریٰت: ۴۷)

آغازِ تخلیقِ کائنات کے پس منظر سے نکلنے والی شعاعوں کی یکسانیت (ان شعاعوں کی مقدار یعنی Intensity میں ۱۰-۱۰ تک کا بھی فرق نہیں تھا) نے بھی اس نظریئے کی تصدیق کی۔ ایک الجھن جو مادے کے غیر متوازن پھیلاؤ اور بکھرنے کی وجہ سے قائم تھی، حال ہی میں اس کی بھی ایک سائنسی تاویل ایک مشاہدے کی صورت میں سائنسدانوں کو نظر آئی ہے۔ انہیں کائنات کے جال میں ripples کی موجودگی نظر آئی ہے، جسے وہ خدائی لکھائی سے تعبیر کر رہے ہیں (نیوز ویک، ۴ مئی ۱۹۹۲ء) اور اب اس نظریئے کی بنیاد اور مضبوط ہو گئی ہے کہ کائنات کی تخلیق کا ایک لمحہ تھا اور یہ کہ کائنات عدم سے وجود میں آئی۔

اس نظریئے میں اس بات کی بھی وضاحت ہوتی ہے کہ ابتدائی توانائی سے پھیلنے والی اس کائنات پر پھر کششِ ثقل غالب آئے گی تو کائنات پھر سکڑنا شروع ہو جائے گی۔

"اور جس دن ہم آسمان کو اس طرح لپیٹ لیں گے جیسے خطوں کا طومار لپیٹ لیتے ہیں۔ جس طرح ہم نے (کائنات کو) پہلی دفعہ پیدا کیا تھا اسی طرح دوبارہ پیدا کر دیں گے۔" (الانبیاء: ۱۰۴)

یعنی اللہ تعالیٰ کی یہ لپیٹ کائنات کو شدید دباؤ کے تحت دوبارہ ایک نقطہ بنا دے گی اور پھر کائنات کی تخلیقِ نو ہو گی، ایسے ہی جیسے پہلی بار ہوئی تھی اور حق تعالیٰ بھی یہی ارشاد فرما رہے ہیں۔

لیکن اس نئی کائنات میں کونسے قوانین جاری و ساری ہوں گے۔ یہاں سمع و بصر کی ترسیل کے لئے کونسے ذرائع حمل و نقل استعمال ہوں گے، انسانی ذہن کا اعصابی نظام کن چیزوں کو خوش کُن اور کِن اعمال کو خوفناک ٹھوس اجسام کی شکل میں دیکھے گا۔ ان سب کی جزئیات و تفصیلات کو ہم نہیں جانتے، لیکن اِن سائنسی قوانین کے چند مظاہر ہم پر خدا

© rasailojaraid.c
© rasailojaraid.c

نے آشکارا کیئے ہیں جن پر مسلم سائنس دانوں اور ماہروں کو غور کرنا چاہیے۔ مثال کے طور پر:

"اور زمین کو ہموار میدان کر چھوڑے گا' جس میں نہ تم کجی دیکھو گے' نہ کوئی ٹیلا" (طٰہٰ ۲۰:۱۰۵)

انسانی نظر کی قوتِ بصارت و سماعت خوب تیز ہوگی' اہل جنت و دوزخ ایک دوسرے کو دیکھ اور سن رہے ہوں گے حالانکہ ان کے درمیان ہزاروں میل کا فاصلہ ہوگا۔ ایسے کونسے عوامل' کیفیات اور قوانین ہوں گے جو اس چیز کو ممکن کر دکھائیں گے۔ انسانی اعمال کی سزا و جزا ٹھوس نعم البدل کی صورت میں حاصل ہوگی۔ جس کسی کے اچھے اعمال کا پلڑا بھاری ہوگا وہ راحت و آرام کی زندگی کا مستحق ہوگا (فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ)

سزا و جزا کا عمل اس میں مروجہ قوانین اور اصول و نظریات حقیقی طور پر مادیت اور روحانیت کا آپس میں تعلق واضح کریں گے کیونکہ مادی جسم کے ساتھ جتنے بھی روحانی اعمال و اوصاف اس دنیا میں ظہور پذیر ہوتے ہیں ان کا ایک ٹھوس نعم البدل قیامت کے دن ہمیں ملے گا جس سے قدرت خداوندی انسانی اعمال بہ بنیاد اخلاص یا مادی انعامات (یا سزاؤں) کا مبنی بر انصاف تناسب نکالے گی۔ یہ بات تو طے شدہ ہے کہ وہاں پر حساب و کتاب اور جانچ پڑتال کے لئے انتہائی راست اور غلطی سے مبرا نظام و قوانین جاری ہوں گے جس کی بنیاد پر نہ کسی پر ذرہ برابر ظلم ہوگا اور نہ زیادتی۔ اللہ تعالیٰ کے اس نظام میں کوئی تبدیلی بھی نہیں ہوگی کیونکہ یہی فطری نظام اللہ تعالیٰ کی سنت ہے:

"تم اللہ کی سنت میں ہرگز کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے"۔ (الاحزاب: ۶۲)

لیکن یہ ممکن ہے بلکہ اس کا امکان زیادہ ہے کہ وہاں پر جاری و ساری قوانین اس مادی زندگی سے بالکل مختلف ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

"اور ہر آسمان میں ہم نے اس کا قانون وحی کر دیا ہے" (حٰم السجدہ: ۱۲)

لیکن یہ سعی کہ انسانی اعمال کی ریکارڈنگ اور ان کے Playback کے لئے کیا اللہ تعالیٰ نے کوئی خاص نظام وضع کیا ہوا ہے' یہ تحقیق ہمارے اعمال اور انسانیت کو خدا کی راہ کی طرف لانے میں اہم کردار ادا کرے گی۔

© rasailojaraid.c
© rasailojaraid.c